ساجد حمید

زاہد حسین: برادر منفرد

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میرے بھائی زاہد اللہ کے حکم سے بروز عید اپونے دس بجے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اچانک موت ہمارے لیے سانحہ سے کم نہیں، لیکن ان کی خوے دیرینہ یہی تھی کہ پنج وقتہ داعی کے بلاوے پر آؤ دیکھا نہ تاؤ چل پڑتے تھے۔ اس معاملے میں نہ بارش نہ پالا، نہ کھانا نہ پینا، کوئی چیز رکاوٹ نہیں تھی۔ عید کے روز بھی انھوں نے ایسا ہی کیا کہ ادھر بلاوا آیا، ادھر چل دیے، ہم غالب کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ:

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور[۲]

ہر اچانک موت پر لواحقین کو تادیر یقین نہیں آتا، ہم انھیں سپرد خاک کر کے بھی گمان رکھتے ہیں کہ ابھی وہ مسجد کے بلاوے پر قمیص کا دامن سیدھا کرتے ہوئے چل پڑیں گے۔ ہمارے دیگر خاندانی اوصاف کے علاوہ، دو اوصاف میں زاہد ہم سب سے بڑھ کر تھے: خودداری جو حد سے متجاوز تھی، اور دوسرے اپنے درست ہونے کا یقین۔ پہلے وصف کے حد سے متجاوز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کا یہ احسان بھی نہ لیں کہ مجھے تکلیف

۱۔ ۱۲/ اگست ۲۰۱۹ء۔

۲۔ داد و ستد: لین دین۔ ملک الموت: موت کا فرشتہ۔

ہے، ہسپتال لے چلو، یہ تعاون لینا اس خود داری کے خلاف ہوتا تھا۔ دوسرے وصف کا کمال یہ ہے کہ میرا ہر اقدام درست ہے، حد یہ کہ میرے تمام گمان بھی سو فی صد درست ہیں۔ یہ چیز انسان کو دوسرے کا موقف سمجھنے اور قبول کرنے میں حارج ہوتی ہے۔

زاہد نو عمری ہی سے حاضر دماغ، چہل گو، لطیفہ باز، مگر بے داغ کردار کے مالک تھے۔ استاذ گرامی جاوید احمد غامدی کی ان سے شروع ہی سے بے تکلفانہ دوستی تھی، استاذ نے ان کا نام سیوطی [۳] رکھ چھوڑا تھا۔ زاہد نام سے کبھی نہیں پکارا، سیوطی کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ ہم سے زاہد کی عدم موجودگی میں حال بھی پوچھتے تو اسی نام سے۔ ہم سب بھائیوں کے مقابلے میں زاہد ہی ان سے بے تکلف تھے، اب خالد اور کسی حد تک امجد بھی، بے تکلف ہیں، لیکن زاہد کے جیسے نہیں۔ طالب محسن، میں، عابد اور شجاع غامدی صاحب کے ساتھ از روے طبع زیادہ بے تکلف نہیں ہیں۔

ہمارے والد مرحوم پاکپتن میں اپنے پیر صاحب کی وجہ سے مقیم تھے۔ ہمارا گھر ریلوے روڈ سے پیر قریاں کو جانے والی سڑک پر تھا۔ پیر قریاں، غالباً ''پیر قریہ'' کا پنجابی تلفظ ہے، یعنی پیر کا نگر یا بستی۔ والد صاحب اپنی کمائی کا بڑا حصہ پیر صاحب اور ان کی اولاد پر خرچ کرتے تھے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ کمائی کا ساٹھ ستر فی صد تک ان کو دے آتے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے گھر میں پیر صاحب اور ان کے اہل خانہ کے لیے ایک طرح کا نفرت پر مبنی غصہ موجود تھا۔ پیر قریاں کی مسجد میں بچے اور بچیاں ناظرہ قرآن کی تعلیم پاتے تھے، اس وقت کے قاری صاحب نے کوئی نازیبا حرکت کر دی، پورے پاکپتن میں ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ پیر صاحب کے لیے بھی باعث شرمندگی تھا کہ وہ ان کا مرید بھی تھا اور مقرر کردہ امام بھی۔ اس کو مسجد کی امامت سے ہٹا دیا گیا۔ بچیوں کے لیے فیصلہ ہوا کہ ان کو اب مسجد نہیں بھیجا جائے گا، بلکہ پیر صاحب کے مریدوں کی بیویاں یہ ذمہ داری نبھائیں گی۔ چنانچہ پیر صاحب نے خواتین کا امتحان لیا تو والدہ مرحومہ کے بقول صرف تین خواتین منتخب ہوئیں، جن میں میری والدہ بھی شامل تھیں۔

ان دنوں قرآن کے نسخے گھروں میں عام نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے گھر میں تھا، لیکن بس ایک ہی نسخہ تھا۔ والدہ نے دوسرے تیسرے دن پیر صاحب کے پوچھنے پر بتایا کہ ہاں بچیاں قرآن پڑھ رہی ہیں، لیکن ان کو مشکل پیش آ رہی ہے، اس لیے کہ ان کے پاس قرآن کا ایک ہی نسخہ ہے۔ اگر طالبات کے سامنے سیدھا رکھتی

۳۔ جلال الدین سیوطی امت کے اکابر اہل علم میں سے ہیں، جو اسیوط کے رہنے والے تھے۔

ہوں تو میرے سامنے الٹا ہوتا ہے، جس سے مجھے پڑھانے میں تنگی ہوتی ہے اور غلط پڑھنے کا امکان رہتا ہے۔ پیر صاحب نے اپنا زیر مطالعہ قرآن کا نسخہ والدہ کو دیا کہ یہ اپنے سامنے رکھ لیا کریں اور دوسرا طالبات کے سامنے۔ والدہ بتاتی ہیں کہ میں وہ نسخہ لے کر گھر آ گئی، جس کی وجہ سے بہ آسانی پڑھانے لگی۔ یہ نسخہ میں نے دیکھا ہوا ہے، بڑے سائز کا مترجم قرآن، جس میں آیتوں کے نمبر نہیں لگے ہوئے تھے، صرف دائروں کی صورت میں آیت کے نشان تھے۔ اس پر شنیل (velvet) کا غلاف ہوتا تھا، جسے جُزدان کہتے تھے۔ یہ جزدان شہید ہونے پر تبدیل کر لیا جاتا تھا، مگر پھینکا نہیں جاتا تھا، بعض اوقات بوسیدہ جزدان اتارے بغیر نیا اسی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ اس نسخے میں احمد رضا خان بریلوی صاحب کا ترجمہ تھا۔

والدہ کہتی ہیں کہ ایک دن میری توجہ ہوئی کہ یہ قرآن تو مترجم ہے، لہٰذا میں نے ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ترجمہ پڑھنے سے یہ ہوا کہ ان کا ذہن تبدیل ہونے لگا۔ انھوں نے اپنے پیر صاحب سے ایک دن کہا کہ جو باتیں آپ کرتے ہیں، وہ تو قرآن میں نہیں، بلکہ قرآن تو ان کے خلاف ہے۔ یوں والدہ پیری فقیری سے برگشتہ ہوئیں۔ اس عمل نے ہمارے گھر میں پیروں کے ''تقدس'' کو کم کر دیا۔ لہٰذا، ہمارے دلوں میں جو نفرت اور غصہ تھا، اسے اس سے تقویت ملی۔ ہمارے برعکس، زاہد کے دل میں یہ نفرت عملی صورت اختیار کر گئی۔

مثلاً، ایک جون کی دوپہر کا واقعہ ہے کہ والدہ نے زاہد کے ہاتھ کچھ کھانے کی چیز پیر صاحب کے گھر بھیجی، زاہد پیروں کے گھر گیا، وہ کھانا انھیں دیا اور واپسی پر ان کی ڈیوڑھی میں لگے مین سوئچ کو آف کر آیا۔ انھوں نے کافی دیر یہی خیال کیا کہ بجلی بند ہے۔ پیر صاحب اور ان کے اہل خانہ دوپہر بھر گرمی کی تکلیف اٹھاتے رہے، عصر کی اذان سن کر انھیں خیال آیا کہ مسجد میں تو بجلی آ رہی ہے، خرابی ہمارے گھر میں ہے۔ الیکٹریشن کو بلایا گیا تو پتا چلا کہ مین سوئچ بند ہے۔ بچوں سے پوچھا، سب نے کہا کہ ہم نے تو بند نہیں کیا۔ پوچھ گچھ کے بعد انھیں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ زاہد کا کیا دھرا ہے، کیونکہ دوپہر کو وہی آیا تھا۔ عصر سے کچھ بعد پیر صاحب کی بڑی بہو، جو ہماری والدہ سے بڑی تھیں، ہمارے گھر زاہد کی شکایت کرنے آئیں۔ والدہ نے ان کے شایان شان مہمان نوازی کی، لیکن اسی دوران میں جب وہ زاہد کی شکایت کر رہی تھیں، زاہد نے باہر کھیت سے باجرے کا سٹالا کر ان کے پائنچے میں اٹکا دیا، انھیں محسوس ہوا کہ کوئی چیز ہے، انھوں نے شلوار کو دو تین بار جھٹکا، جس سے سٹا اوپر چڑھتا گیا، انھیں خیال ہوا کہ کوئی کیڑا ہے، مگر جب دیکھا تو سٹا تھا۔ ان پر واضح تھا کہ یہ کس کی شرارت ہے! وہ غم و غصہ اور شرارت کے اہتزاز، دونوں میں لپٹی سوائے شکایت کہ کچھ نہ کر سکیں اور والدہ کی بھی یہی حالت تھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہمارے گھر میں مرغیاں ہوتی تھیں، جنھیں اگر پکانے کا ارادہ ہو تو مولوی صاحب سے ذبح کرانا پڑتا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب تھے، جو از راہ خدمت چھری پھیرنے کا کام کر دیتے تھے۔ والدہ نے ایک دفعہ مرغا زاہد کو دیا کہ ذبح کرا لائے، مولوی صاحب نے شرارت سے کہا کہ مرغ کے پائے کس کو کھلاؤ گے ؟ زاہد نے کہا کسی کو نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا: ہمیں بھی نہیں کھلاؤ گے ! بہر حال زاہد مرغ ذبح کرا کے گھر لے آیا، والدہ نے پر وغیرہ اتار کر کاٹا۔ زاہد سے کہا کہ پر وغیرہ کوڑے میں ڈال آؤ، لیکن زاہد نے مرغ کے پائے ہاتھ میں پکڑے اور چل دیے، مولوی صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا اور پائے ان کو تھما دیے۔ وہ بہت ناراض ہوئے اور شام کو آ کر والد صاحب سے زاہد کی شکایت کی۔ والد صاحب حیران تھے کہ اس نے کیا کر ڈالا ہے۔ پوچھنے پر زاہد نے کہا: انھوں نے خود مانگے تھے۔ مولوی صاحب کیا کرتے، بس یہ کہہ سکے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔

ہمارے نانا، صوفی تھے، اور طب کے ماہر تھے۔ ادھر زاہد طباع تھے۔ اس لیے چھلیں خود تخلیق کیا کرتے تھے۔ ہماری ایک ممانی تھیں، جو تقریباً ہر روز والدہ سے ملنے آ جاتیں اور اپنے دکھڑے سناتی تھیں۔ ہم سب بچے ان سے کچھ تنگ بھی تھے کہ نہ صرف والدہ کو تنگ کرتیں، بلکہ ہمارے لیے بھی باعث زحمت بنتی تھیں، لیکن والدہ کا حکم تھا کہ کسی نے ان کے ادب احترام میں کمی نہیں کرنی۔ انھیں ایک جسمانی عارضہ تھا، جس کا تقریباً وہ ہر روز تذکرہ کرتیں۔ تو زاہد نے نانا جان کی طب کے مطابق ایک دن انھیں نسخہ تجویز کیا۔ وہ یہ تھا کہ ایک چھٹانک اڑتے کوے کی بیٹ، آدھ پاؤ سوتے بچے کی اجابت لے کر، سات دن تک چھاؤں میں سکھا لیں، پاؤ خشخاش میں ملا کر پیس کر سفوف بنا لیں۔ روزانہ تین وقت دودھ کے ساتھ کالی مرچ کے برابر لیں۔ ایک ماہ تک مرض جاتا رہے گا۔ ہماری ممانی اس قدر گاڑھے طبّی بیان سے متاثر ہو کر بولیں: مجھے لکھ دو، میں بھول نہ جاؤں !

یہی شرارتی زاہد، والدین کا عجیب فرماں بردار بھی تھا۔ ہمیں والدہ پڑھاتی تھیں۔ وہ اچھی استاد تھیں، تمام مضامین کا ایک ایک سوال روزانہ ہم سے سنتی تھیں۔ اس معاملے میں ذرا سخت تھیں۔ شاید زاہد پانچویں کا طالب علم تھا، جب کی یہ بات ہے، والدہ پڑھا رہی تھیں، زاہد نے ایک سوال نہیں سنایا تو انھوں نے سزا کے طور پر زاہد سے کہا کہ برآمدے کے ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر سوال یاد کرو۔ والدہ یہ کہہ کر اٹھ کر اندر گئیں، کمر سیدھا کرنے کو لیٹیں اور نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی۔ وہ دو گھنٹے سوتی رہیں۔ زاہد کے اوپر دھوپ آ چکی تھی، لیکن وہ وہیں کھڑا رہا، جب والدہ کی آنکھ کھلی اور دیکھا تو بھاگی آئیں اور پیار سے زاہد کو ساتھ لگایا، چھاؤں میں لے گئیں اور ٹھنڈا پانی وغیرہ پلایا۔ ہمیں سمجھاتے ہوئے وہ اس واقعے کو کئی دفعہ دہراتیں۔ جوانی میں والدین کی یہی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فرماں برداری خدا کی فرماں برداری میں تبدیل ہو گئی۔ لہٰذا، عبادت اور دیانت میں للہ فی اللہ پرہیز گار رہے۔

رشتہ دار ایک دوسرے کو باتیں کرتے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا، جب کوئی والدہ کو کوئی بات وغیرہ کرتا، تو وہ ضرور بدلہ لینے چلے جاتے، بھلے بعد میں وہ بھی والدہ ہی کو بھگتنا پڑتا۔

والد صاحب کی وفات کے بعد، انھوں نے چھوٹے بھائیوں کا بڑے بھائیوں کی طرح، بہت زیادہ خیال رکھا۔ طالب صاحب الگ ہو چکے تھے، مگر پھر بھی ہمت بھر مالی تعاون کرتے رہے، زاہد اور میں کماتے تھے۔ زاہد کل وقتی ملازم تھے، اور میں تعلیم کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم کام کرتا تھا۔ والدہ بہت بیمار رہنے لگی تھیں، لہٰذا سوچا گیا کہ شہر سے گھر بیچ کر کسی کھلے علاقے میں جایا جائے۔ ہم نے اپنا گھر بیچ کر لاہور کے مضافات میں زمین خرید کر گھر بنانا شروع کیا۔ تعمیر کا یہ سب کام زاہد ہی نے اپنی نگرانی میں کرایا، ہمارا کردار بس معاونین ہی کا تھا۔

زاہد جوانی میں بہت خوش لباس، اور خوش اطوار تھے، لیکن کوئی پچھلے دس پندرہ برس سے ترک دنیا کا طرز حیات اپنا لیا تھا۔ اسے طبیعت کا اقتضا کہیے یا متصوفانہ طرز حیات، ہر دو صورت میں نتائج ایک سے ہیں۔ ہم جس سرزمین میں بستے ہیں، وہ تصوف کی جنم بھومی ہے، جہاں فقر ایک اکتسابی مقام بھی ہے اور خدا کی تقدیر بھی۔ 'الفقر فخري' کا نعرہ یہاں تفاخر کی حد تک قبولیت پائے ہوئے ہے۔ ایک دفعہ میں بس اسٹاپ پر کھڑا تھا کہ میرے ایک جاننے والے —— جن کے کئی جھگڑوں میں، مجھے ''سیانے آدمی'' کا کردار ادا کرنا پڑا —— کا دوست گاڑی میں آتے ہوئے ملا۔ اس نے مجھے اتر کر گاڑی میں بٹھایا اور بٹھاتے ہی بولا: جو دوسروں کو بخشنے والے ہیں، سبحان اللہ وہ بے نیازی کی وجہ سے خود خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: نہیں بھئی، میرا اس فقر میں قصور تو ہو سکتا ہے، کمال کوئی بھی نہیں ہے۔ اس نے اس پر بھی سر دھنا، اور مزید گرویدگی کا اظہار کیا، اس گناہ گار کو لگا کہ وہ شخص مجھے بہت پہنچا ہوا بزرگ سمجھ رہا ہے، لہٰذا خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ زاہد کے ہاں دین کا تصور تو وہی تھا، جو استاذ گرامی کا ہے۔ لیکن ترک دنیا کی حد تک وہ متصوفانہ روش پر قائم تھے۔ یہ روش انھیں میرے نانا اور والد صاحب سے ملی تھی۔ آخری عمر میں ترک موالات بھی طبیعت میں در آئی تھی۔ زاہد اسی وصف کی بنا پر جلد اللہ کو پیارے ہوئے۔ دل کے عارضے میں کچھ برس سے مبتلا تھے، مگر علاج معالجے کی ہماری تمام مساعی بے سود رہیں، بلکہ ایک عرصے تک ہم ان کے مرض سے آگاہ بھی نہیں تھے، کیونکہ وہ کسی کو بتاتے بھی نہیں تھے۔ اس مرض سے پہلے بھی وہ یا ان کے بچے کسی وجہ سے دو تین دن ہسپتال میں رہ آتے، ہمیں دنوں بعد کسی ملاقات میں پتا چلتا کہ وہ ہسپتال داخل رہے ہیں۔ ان کے منفرد ہونے کے یہ تمام پہلو تھے۔ مرتے وقت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بھی انھوں نے وہ دن چنا جس میں کم ہی لوگ مرا کرتے ہیں، یعنی عید کا دن۔

دفتر سے آ کر گھر میں ٹکے رہتے، کوئی دوستی، شغل وغیرہ نہیں تھا، البتہ شاعری کرتے تھے۔ اس وقت ان کا ایک شعر یاد آ رہا ہے، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں بھی احسان کے زیر بار ہونے سے گریز کی خو جھلکتی ہے، گو مضمون التفات کا ہے:

اپنی راتوں کو نہ کر برباد تو
میری خاطر دیر تک جاگا نہ کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"